Tauseeq, Volume. 6, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v6i2.7

Received: 15-12-2025
Accepted: 20-12-2025
Published: 30-12-2025

خالدہ حسین کے ناول "کاغذی گھاٹ" میں پاکستانی کلچر کے مسائل

Issues of Pakistani culture in Khalida Hussain, s Novel “Kaghzi Ghaat”

ڈاکٹر سکینہ صدیق *

ڈاکٹر عمر فاروق سیال

Abstract:

Culture is an integral part of social development. Rapidly changing values in society lead to social crisis. Crisis refers to the conflict of an individual or nation regarding its traditional values, culture and identity, which is also expressed in literature. The cultural crisis can be felt intensely in Urdu novels in the twentieth century. On the one hand, social values are protected, while on the other hand, the growing Western traditions have challenged these values. Khalida Hussain's novel kaaghzi Ghaat highlights the elements that are causing the crisis of Pakistani culture. This research article will bring to light the details of the crisis of Pakistani culture, which will increase the literary status of this novel.

Keywords: Existentialism, Pakistani culture, Partition of India, Capitalist, Civilization, crisis, Culture.

*لیکچرار گورنمنٹ گریجویٹ کالج فار ویمن ظفر الحق روڈ راولپنڈی

لیکچرار نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

کلچر کسی بھی معاشرے کا اساس ہوتا ہے جو وہاں کے لوگوں کی ظاہری و باطنی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ کلچر کے لیے تمدن، تہذیب اور ثقافت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں یہ اپنے اپنے معنی اور مفہوم کے تحت استعمال ہوتے ہیں۔ تمدن کا لفظ مل جل کر رہنے اور طرز معاشرت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، تہذیب کا لفظ اردو، عربی اور فارسی زبان میں مستعمل ہے جس کے لغوی معنی درخت کو کاٹنے اور تراشنے کے ہیں مجازی معنوں میں شائستگی کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس میں خوش اخلاقی ،طور اطوار، گفتار اور کردار شامل ہیں جیسے مہذب انسان وغیرہ۔ تہذیب کا لفظ سب سے پہلے سر سید احمد خان نے اپنے ایک مضمون "تہذیب اور اس کی تاریخ" میں لکھا۔ انہوں نے ہنری طامس بکل کی کتاب ہسٹری آف سویلزیشن کے ایک حصے کا ترجمہ کیا یہ مضمون وہاں سے لیا گیا تھا۔ تہذیب ظاہری اور مادی چیزوں کے لیے جب کہ ثقافت باطنی کیفیات، فکر اور علوم و فنون کے لیے بولا جاتا ہے۔ لسان عرب کے لحاظ سے اس کے معنی علوم و فنون اور ادبیات پر قدرت و مہارت کے ہیں۔ تہذیب و ثقافت کا مرکب کلچر کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بقول:

"زبان، عادات و اطوار، فکر، طرز معاشرت، رسم و رواج، معاشرتی ادارے مادی و روحانی اقدار سب اسی کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہیں اور ان ہی چیزوں کے مجموعے کا نام کلچر ہے۔"(۱)

کلچر میں پوری زندگی کی سرگرمیوں کا احاطہ کیا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق ذہنی ،مادی اور خارجی اشیاء سے ہی کیوں نہ ہو۔ چند محققین نے تہذیب و ثقافت کو ایک ہی معنوں میں استعمال کیا ہے جن میں ڈاکٹر سید عبداللہ، سبط حسن اور علی عباس جلال پوری ہیں۔ ہر کلچر کا اپنا ایک مخصوص نظام فکر و احساس ہوتا ہے، جو نا صرف رشتوں کی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ معاشرے کے افراد اور موجودات میں رشتہ استوار کرتا ہے۔ معاشرتی حیثیت فرد کے شعور پر اثر انداز ہوتی ہے انسان کے حالات جیسے ہوں گے اس کا سماجی شعور بھی ویسا ہی ہو گا یوں سماجی شعور سماجی حالات کے تابع ہوتا ہے۔ کلچر کی وہ بنیادی خصوصیات جو ایک قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرتی ہیں اور منفرد پہچان بناتی ہیں ان خصوصیات کا تیزی سے بدلتے ہوئے معاشرے میں متضاد ہونا ثقافتی بحران کہلاتا ہے جو فرد کی شناخت کھو جانے پر اسے ظاہری اور باطنی طور پر کشمکش کا شکار کرتا ہے جس سے معاشرہ زوال پذیر ہوتا ہے۔ ثقافتی بحران میں معاشرے کی اقدار، روایات اور اخلاقیات ختم ہو جاتی ہیں ۔ فرد فکری اور نظریاتی جمود کا شکار ہوتا ہے۔ سائنسی ایجادات نے جہاں انسان کی زندگی کو سہولتوں سے آراستہ کیا وہاں عام آدمی ان سہوتوں سے استفادہ کرنے کے لیے فکر معاش کی تلاش میں گھر سے باہر نکلتا اور زیادہ کمانے کے چکروں میں ایک بے حس مشین بن جاتا ہے۔ اپنوں سے دوری نے اس کے اندر تنہائی کا احساس اور نفسیاتی توڑ پھوڑ پیدا کر دی۔ اخلاقی قدروں نے مادیت کا روپ اختیار کر لیا مادی ترقی اور

حکمرانی کی خواہش میں اٹیم بم کی ایجاد نے انسانی زندگی کو غیر محفوظ بنادیا۔ڈر اور خوف نے ایسی نفسیاتی الجھنیں پیدا کیں جن کا حل نہ سائنس کے پاس ہے نہ نفسیاتی ماہرین کے پاس۔

ثقافتی بحران میں سائنسی ایجادات، صنعتی انقلابات،انقلاب فرانس اور وجودیت کی تحریک خاص اہمیت کی حامل ہے اسی دور میں جاگیر دارانہ نظام کے ساتھ ساتھ مذہبی کلیساؤں کے خلاف بھی آواز اٹھائی گئی جس کی وجہ سے تمام اقوام بحران کا شکار ہوئیں ان پر مارکسیت کے مادی، فرائڈ کے نفسیاتی اور سارتر کے وجودی اثرات پڑے ایسے حالات میں ماڈرن ازم اور جدیدیت نے جنم لیا۔جدیدیت نے اپنی بقاء کو قائم رکھنے کے لیے مقامی کلچر اور زبان سے انحراف کیا۔زندگی کی خواہشات کے حصول نے انسان کو بے حس اور خود غرض بنادیا وہ اپنی فطری زندگی کو سلب کر کے مصنوعی زندگی اپنانے لگا۔کم وقت میں زیادہ پیسہ کمانے کے حصول نے عالمگیریت کو جنم دیا جس نے دنیا کو ایک گلوبل ویلیج بناڈالا جہاں ہر قوم کی تہذیبی شناخت سمندر میں کوزے کی مانند ضم ہوتی گئی۔مشتاق احمد وانی نے اپنی کتاب "اردو ناول میں تہذیبی بحران میں "معاشرتی بحران کی سات بڑی وجوہات بیان کی ہیں:

> "سائنسی ایجادات، صنعتی انقلاب،فرانس کا انقلاب،ڈارون کا فلسفہ ارتقاء،علم نفسیات کا ارتقاء، تین فلاسفر،مارکس،فرایڈ اور ڈریم کے نظریات"(۲)

پاکستانی کلچر کا تعلق وادی سندھ کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے جو صدیوں پرانی ہے۔پاکستانی تہذیب کا مطالعہ ہندوستانی تہذیب کو سمجھے بغیر ناممکن ہے۔اس بات کی تصدیق وزیر آغا اپنی کتاب "تنقید اور احتساب" کے ایک مضمون میں کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

> "پاکستان کا کچا مواد وہی ہے جو آج سے تقریباً پانچ/چھ ہزار سال قبل وادی سندھ کی تہذیب میں موجود تھا۔"(۳)

آج کے پاکستانی معاشرے میں بھی وادی سندھ کی تہذیب کے غالب عناصر موجود ہیں جیسے قبر پرستی ،ٹونے ٹوٹکے، تعویز گنڈے اور جنتر منتر چھائے رہتے ہیں ان کو مذہبی رسوم کا درجہ حاصل ہے۔جن ملکوں میں ایک سے زیادہ قومیں آباد ہوں ان کی تشکیل تہذیب کا زیادہ تر انحصار قوموں کے طرز عمل، فکر اور احساس پر ہوتا ہے برصغیر کی سرزمین پر بھی ایک سے زیادہ اقوام آباد تھیں یہ ایک عرصے تک حملہ آواروں کی سرزمین رہی جس پر فاتح اقوام نے گہرے اثرات مرتب کیے خاص طور پر 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر میں یورپین کلچر ظہور پذیر ہوا جس کے نتیجے میں مشرقی تہذیب دم توڑ رہی

تھی تو مغربی تہذیب جنم لے رہی تھی۔اس لیے برصغیر کے لوگ مشرقی اور مغربی کلچر کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ تقسیم کے بعد پاکستان بھی ان ہی ممالک میں شامل ہو گیا۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور یہ نظریہ اسلامی عقائد پر منحصر ہے جہاں سے پاکستانی تہذیب کے متعلق مختلف سوال ذہن میں آتے ہیں کہ اس تہذیب کا تعلق کس سے ہے ؟ کیا پاکستانی تہذیب نامی کوئی شے ہے بھی ؟ اگر ہے تو کیا اس کی تہذیب اسلامی تہذیب ہے جس کے نام پر یہ ریاست بنائی گئی۔ اگر ایسا ہے تو باقی کے اسلامی ممالک میں اسلامی تہذیب نامی کوئی تہذیب کیوں نہیں پائی جاتی۔ کلچر اور مذہب دو الگ الگ چیزیں ہیں کلچر کا تعلق مزاج سے ہے جس کا اظہار زبان اور فنون لطیفہ کی صورت میں ہوتا ہے، کلچر کی جڑیں زمیں سے جڑی ہیں جبکہ مذہب کا تعلق روح سے ہے۔اس لیے مسلم دور حکومت میں مذہب اور ریاست کو الگ الگ رکھا جاتا تھا۔ اکثر حکومتیں اپنے مفاد کے لیے مذہب کا استعمال کرتی ہیں ۔اگر پاکستان میں مغربی اسلامی کلچر ہے تو مغربی مظاہروں کو غیر اسلامی کیوں کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں پائی جانے والی متنازع صورت حال نے اس قسم کے سوالات مفکرین کے ذہن میں ڈال کر شک میں مبتلا کر دیا۔ انتظار حسین نے بھی اپنی کتاب "علامتوں کا زوال" میں ایسے حالات کو اردو ادب کا مرکز قرار دیا۔ ان کے بقول :

> "اس پیچ در پیچ نقشے نے سوال کو بہت الجھایا اور نئے لکھنے والوں کے لیے ایک گرہ کی صورت اختیار کر گیا۔ ہماری جڑیں کہاں ہیں ؟ اب یہ پیچیدہ سوال ہمارے ادب کا مرکزی سوال ہے اور نئے طرز احساس کی نمائندگی کرتا ہے۔"(۴)

ثقافت میں عقیدے اور جغرافیے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قومیت پسندی کے حوالے سے ڈاکٹر محمد نعیم ورک نے اپنی کتاب "اردو ناول : کلامیہ اور استعماری تعمیریت" میں کلفرڈ گیرٹز کا حوالہ دیا جس نے تاریخی اعتبار سے استعماریت کے زیر اثر رہنے والی اقوام میں قومیت کے چار ادوار کی نشان دہی کی ہے۔ پہلا دور یک جہتی کا دور ہے جس میں مختلف اور متنوع گروہوں کے درمیان اشتراک پیدا کر کے ایک قوم کی صورت جمع کیا جاتا ہے۔ دوسرا دور فتح کا دور ہے جب قومیت پسند اجتماعی جدوجہد سے قابض قوم سے فتح حاصل کرتے ہیں، تیسرا دور آزاد ریاست کی تنظیم کا ہے جس میں قوم اپنی ریاست کو منظم کرتی ہے چوتھا اور آخری دور دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلق اور تعین کا ہے۔ جس میں یہ طے کیا جاتا کہ ریاست کا تشخص کیا ہو گا وہیں پر ماضی کے عناصر میں سے چند ایک ممالک کے ساتھ اس تشخص کی جڑیں بھی تشکیل دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ قومی ریاست کے حصول کے بعد قومی ثقافت کا سوال ابھر کر سامنے آتا ہے ہر قومی ریاست کی ایک زبان، ایک ثقافت، ایک ترانہ، ایک جھنڈا، ایک قومی ترانہ، ایک پھول اور ایک لباس ہوتا ہے جو اسے دوسری قوموں سے منفرد بنتا ہے پاکستان بھی اسی ضرورت اور تصور کے تحت بنایا

گیا یہ ایک سیاسی اور عملی ضرورت تھی۔ قیام پاکستان کے بعد دیگر مسائل کی طرح ثقافت کا مسلہ بھی سامنے آیا۔ پاکستان کی ثقافت ہزاروں سال پرانی ہے تو مختلف ثقافتوں سے ایک ثقافت کیسے بنائی جا سکتی ہے اس ثقافت کی تاریخ 1947ء سے شروع ہو گی یا اس سے بھی پہلے کی شامل کی جائے گی ان سوالوں نے ثقافت کی گتھی کو مزید الجھا دیا۔ڈاکٹر سید عبداللہ اور حسن عسکری نے پاکستانی ثقافت کا اہم ترین وصف اسلام اور اردو زبان کو قرار دیا۔جب کہ دوسری طرف پاکستانی ثقافت کی بحثوں میں جغرافیے کو سبط حسن، فیض احمد فیض اور وزیر آغا نے اہم جانا۔انہوں نے ثقافت کا تعین کرتے ہوئے ماضی کی مثالوں کو سامنے لاتے ہیں اور اپنی تہذیب کا تعلق وادی سندھ سے جوڑتے ہیں۔پاکستانی کلچر کا مزاج زرعی ہے جہاں گائے اور بھینسوں سے وابستگی بہت مضبوط ہے۔یہ دودھ دیتی ہیں جو ان کی زندگی کے لیے امرت کا درجہ رکھتا ہے اس لیے آج کے دور میں بھی سب سے بڑی قسم دودھ پتر کی کھائی جاتی ہے۔دیہاتی کلچر میں محبوب کے لیے لفظ "ماہی" استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب مہیں یعنی بھینس ہے۔جس جانور سے کوئی قوم محبت کرتی ہے ان کی خصوصیات سما جاتی ہیں جیسے گھوڑا اور اونٹ سے محبت کرنے والی قوم تیز رفتار اور جانفشاں ہوتی ہے جب کہ بھینسوں سے محبت کرنے والی قوم کی سست رفتاری اور بے نیازی ضرب المثال کا درجہ رکھتی ہے۔اصل کلچر تو دیہاتوں کی پیداوار ہے اس لیے یہاں ایک طرف مسلم کلچر تو دوسری طرف یورپین کلچر فروغ پا رہا ہے اس لیے پاکستانی کلچر پر دراوڑی، آریائی، یونانی، مسلم اور یورپی قوموں کے اثرات ہیں۔یہاں دیہاتوں میں مشرقی کلچر پایا جاتا ہے کیوں کہ وہ یورپین کلچر کی خرافات اور شہ خرچیوں برداشت نہیں کر سکتے جبکہ یورپین کلچر امراء اور بورژوا طبقے کا طرز معاشرت ہے اس لیے زیادہ تر شہروں میں مغربی اور یورپی کلچر اپنایا جاتا ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق کلچر ایک آزاد عمل ہے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔اس کے اثرات اردو ادب اور خاص طور پر اردو ناول پر پڑے جس کی ابتدائی جھلک رتن ناتھ سرشار کے ناول "فسانہ آزاد" میں لکھنوی تہذیب کے زوال کی صورت ظاہر ہوئی۔ترقی پسند تحریک کے تحت عزیز احمد کا ناول "آگ" اور "گریز" سجاد ظہیر کا ناول "لندن میں ایک رات" لکھے گئے۔ تقسیم ہند کے بعد قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" عبداللہ حسین کا "اداس نسلیں"، شوکت صدیقی کا "خدا کی بستی" اور خدیجہ مستور کا "زمین" منظر عام پر آئے۔ان ناولوں میں ہندوستان کی تقسیم کو غیر فطری اور غیر انسانی عمل قرار دیا گیا۔ تقسیم کے بعد لکھے جانے والے ناولوں میں آزاد مملکت کا تصور واضح نہ ہونے پر مصنفین نے مزاحمتی رویہ اختیار کیا ان ہی ناولوں میں ایک خالدہ حسین کا ناول "کاغذی گھاٹ" ہے۔گھاٹ ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دریا یا تالاب کے کنارے پر بنی ہوئی سیڑھیاں ہیں جہاں پر لوگ پانی بھرنے اور نہانے آتے ہیں۔ساحل پر اس مقام سے دریا پار کیا جاتا ہے۔اس ناول کا نام کاغذی گھاٹ ملک خداد کے لیے ایک طنز کے طور پر رکھا گیا ہے وہ گھاٹ جو عوام کی امیدوں کا امنگ

تھا دہشت گردوں اور کرپٹ حکمرانوں کی وجہ سے عوام کو اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہا ہے۔ یہ ایک علامتی ناول ہے۔اس کے گیارہ ابواب ہیں سلطان محمود غزنوی کے دور سے لے کر 1971ء کی جنگ کے حالات وواقعات کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ ایک نامکمل اور سوانحی ناول ہے جس کا اعتراف خود خالدہ حسین نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا ہے اس ناول میں پنجابی ثقافت کے بحران کو موضوع بنایا گیا ہے جس میں زیادہ تر منظر نگاری پنجاب کے دل لاہور شہر کی گئی ہے۔ پنجاب کے دیہاتوں میں ہر سال ایک میلہ مویشیاں لگتا ہے جہاں لوگ جانوروں کے ساتھ ساتھ دوسری چیزوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں۔ جس میں بچوں سے لے کر بڑوں کے لیے تفریح کا سامان ہوتا ہے۔اس میلے کے بارے میں خالدہ حسین ان الفاظ میں منظر کشی کرتی ہیں:

> "کہتے ہیں اس زمانے میں شہر کے بیچوں بیچ ہر سال منڈی لگتی تھی۔ جہاں آس پاس کے قصبوں اور دیہاتوں کے بے شمار لوگ اپنے پالتو جانور فروخت کی خاطر لے کر آتے تھے۔وہاں پر جانوروں کی خرید وفروخت بھی ہوتی اور ایک میلہ بھی لگتا جس میں طرح طرح کی تفریح کا سامان بھی ہوتا تھا۔ گھگھو گھوڑے، رنگین تیلیوں سے بنی چھابیوں اور جھنجھنوں کے ساتھ گڑ اور تلوں کی مٹھائیاں اور مٹی کے کورے گھڑوں اور ہانڈوں کے علاوہ چرخ چوں کرتے ہنڈولے اور گنے کی رو نکالتے بیلنے سبھی کچھ ایک رنگین بساط ایسا بچھا ہوتا۔ پنجابی کھسے جن پر شوخ ہرے سرخ اور فیروزی اور بسنتی پھمن لگے ہوئے اصل چمڑے کی بو پھیلاتے۔ کھسے جن کا الٹا سیدھا پاؤں نہ ہوتا تھا بلکہ خود پہننے والا ایک کو الٹا ایک کو سیدھا بنا ڈالتا۔ شوخ لاچے اور گھیر دار گھگھرے اور لمبے کرتوں اور کانوں میں جھولتی چاندی کی بالیاں اور رنگین موتی تلے دار پراندوں میں لدی مٹیاریں سرگودھا، خوشاب۔ جھنگ اور راوی کے کنارے بولی میں ہانگ لگاتیں چوڑے کھنکھناتی پھرتیں۔ یہیں پر دیہات کے بانکے، کلی اکھاڑنے کا مظاہرہ بھی کرتے تھے جس کو آج کل ٹینٹ پیگنگ کہا جاتا ہے۔"(۵)

زبان انسان کی سب سے عظیم سماجی تخلیق ہے اس کے ذریعے انسان اپنے تجربات، خیالات اور احساسات کا اظہار کرتا ہے۔ چیزوں کا رشتہ زمان ومکاں سے جوڑتا ہے۔ اپنے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں باتیں کرتا ہے، اس طرح ایک قوم آنے والی نسلوں کے لیے تہذیب کا اثاثہ لفظ اور معنی کی صورت چھوڑ جاتی ہے۔ مگر پنجاب کے لوگ اپنی پنجابی زبان پر قومی اور انگریزی

زبان کو ترجیح دیتے ہیں۔وہ اپنے بچوں سے پنجابی میں بات جیت کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔مصنفہ اس کیفیت کا اظہار یوں کرتی ہے:

"تبھی ایک احساس عام ہونے لگاپنجابی سخت کھردری زبان ہے خصوصا بچے پنجابی بولتے ہوئے اجڈ محسوس ہوتے ہیں پس وبیشتر خاندانوں میں اردو بولنے کا رواج چل نکلاسب بچے اردو بولنے لگے یہاں تک کہ ایک نسل اپنی مادری زبان بولنے سے قاصر ہوگئی۔"(٦)

ان کے خیال میں سب سے اچھی زبان انگریزی ہے کیوں کہ یہ فاتح کی زبان ہےاس کو بولنے والوں کا رتبہ بلند سمجھا جاتاہے۔یہ ایک قسم کی ذہنی غلامی ہے جو نجانے کب تک قائم رہے گئی۔اسی وجہ سے ہم قومی زبان کو سرکاری زبان کادرجہ نہ دے سکے۔آج کی نوجوان نسل مشرقی تہذیب کے ساتھ مغربی تہذیب کاتڑکالگانافخر کی بات سمجھتی ہےاس ناول کاایک نسوانی کردارامتی کاہے جواپنی تعلیمی برتری کے لیے خواب بھی انگریزی میں دیکھتی ہے۔خالدہ حسین اس کے بارے میں لکھتی ہیں:

"اس نے کچھ ہی عرصے میں بڑی روانی کے ساتھ انگریزی بولنا شروع سیکھ لی تھی۔ہالی وڈ کی فلمیں اسے ازبر تھیں۔ہائی سوسائٹی کے تمام قواعد وضوابط گویا گھٹی میں پڑ چکے تھے۔محفلوں کے آداب پارٹیوں کو کامیاب بنانے کے لیے دلچسپ گفتگو۔وہ سب کچھ سیکھ چکی تھی یقینااسے ایک شاندار مستقبل کے لیے تیار کیاجارہاتھا۔"(٧)

جدید نسل مغربی زبان اور طور طریقے فخر سے سیکھ رہی ہے کیوں کہ اس تہذیب کے علمبرداروں نے ان کے آباءواجداد کو شکست دی تھی اوراس شکست کابدلااس سے طرح لیناچاہ رہی تھی مگران کایہ عمل ان کی تہذیب کو برباد کررہاہے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے خیال میں:

"اگر کسی ثقافت پر کوئی دوسری زبان مسلط کردی جائے تو وہ ثقافت زردپڑ جاتی ہے وہ حاشیے پر چلی جاتی اور اپنی داخلی اور حقیقی تخلیقی قوتوں کے اظہار سے قاصر ہو جاتی ہے،لہذا کسی بھی انسانی گروہ کی ثقافتی شناخت کاسب سے اہم مظہر زبان ہے۔"(٨)

تہذیب جب طبقات میں بٹ جاتی ہے تو خیالات کی نوعیت بھی طبقاتی ہو جاتی ہے جس طبقے کاغلبہ مادی قوتوں پر ہوتاہے وہ ہی طبقہ ذہنی قوتوں پر حاوی ہوتاہے معاشرے میں اسی کے خیالات وافکار کاسکہ چلتاہے۔ایسے معاشرے میں عام اور اونچے طبقے کے لیے

سماجی قدروں کے پیمانے جداجدا ہوتے ہیں۔پاکستان کے قدیم لوگ جاگیر دار تھے جن کی اپنی غلامانہ نفسیات تھی جو نوآبادیاتی اثرات کے تحت اپنے بیٹوں کوپڑھنے کے لیے بڑے فخر سے یورپ اور برطانیہ بھیجتے تھے اوراپنی بیٹیوں کو بڑے پیمانے پرانگریزی اداروں میں تعلیم دلواتے۔اپنے بیٹوں کے لیےامیر اور حسین لڑکیاں تلاش کرتے۔اس ناول کے کردار عائشہ کی بھی تربیت ایسے ہی ماحول میں ہوئی تھی جسے حسیب ملا جو تنگ نظراوراحساس کمتری کا شکار تھا۔ہمارے ملک میں قبائلی ،جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام لاگو ہیں جو طبقاتی کشمکش اور معاشرتی ناہمواری کا شکار ہیں۔ان میں امیر ،غریب ،چھوٹا، بڑا، آقااور غلام کارشتہ استوار کیاجاتاہے۔یہ ہی حال اس ناول میں راجہ صاحب کی فیملی کاہےاس خاندان کے ناموں میں بھی طبقاتی بو تھی جیسے راجہ ،رانی ،پرجا،رعایا،لوگ اور بھیڑ وغیرہ۔ان ناموں سے مونا کو چڑ تھی۔یہ ذاتیں قبیلوں کی پہچان ہونے کی بجائے خاندانی برتری کی علامت تھیں وہ معاشرے کوتو تبدیل نہیں کرسکتی تھی اس کے باوجود معاشرے کی تبدیلی کی خواہاں تھی۔دسمبر کی راتوں میں جہاں امیر لوگ خشک میوہ جات سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہاں پرغریب لوگ سردی لگنے سے بیمار ہو کر ہسپتالوں کی چوکھٹ پردوائیوں کاانتظار کرتے کرتے اس جہان فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔ایک طرف غریب لوگ کھانانہ ہونے کی وجہ سے بھوکے رہتے ہیں توامیر لوگ ڈائٹنگ کرکے کھانے سے دور رہتے ہیں۔خالدہ حسین طنزیہ انداز میں لکھتی ہیں :

> "پاکستان میں جاگیر دارانہ نظام پنجے گاڑھ رہاہے۔زمین دار امیر سے امیر تر اور کسان غریب سے غریب تر ہوتا جارہاہے وہ اسلامی مساوات کہاں ہے ؟جو پاکستان کی اساس ہونے والی تھی۔"(۹)

طبقاتی کشمکش میں مبتلا نچلا طبقہ ہوتاہے جس میں مزدور،غلام اور عورتیں شامل ہیں۔دراصل اس ناول کا موضوع عورت کی مظلومیت ہےاس کی کہانی دوسرے کرداروں کے ساتھ ساتھ تین نسوانی کرداروں کے گرد گھومتی ہے،جن میں مونا،عائشہ اور افروز شامل ہیں۔مونااس ناول کی ہیروین ہےاس کا تعلق ایک روایتی گھرانے سے ہےان کے والد قدامت پرست انسان ہیں ۔مونا ایک ذہین لڑکی ہے جو ادیبہ بھی ہے وہ تاریخ کے بدلتے تناظر زندگی کی بے بسی اور وقت کی ستم ظریفی پر ایسے ایسے سوال اٹھاتی ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔مونا کا کردار خود خالدہ حسین کا کردار ہے جو علامہ اقبال جیسے فلاسفی پر بھی اعتراض کرتی ہے جس نے شک کی بناءپراپنی منکوحہ کو طلاق دی اور عطیہ فیضی جیسی جرمن خاتون سے دوستی کی۔وہ ایک طرف عائشہ کے شوہر کی تنگ نظری پر دکھ کااظہار کرتی ہے تودوسری طرف افروز کے ایک فیکٹری کے مزدور سے شادی کرنے پر حیرت میں مبتلا ہوتی ہے۔ان لڑکیوں کی تقدیرانہیں نسائی وجودیت کااحساس دلاتی ہے جو ہر لڑکی کاپیدائشی حق ہے مگر معاشرہ ان کو یہ حق دینے

سے قاصر ہے۔پہلے لڑکیاں تعلیم حاصل نہیں کرتی تھیں اب پڑھ لکھ کر گھریلو کاموں میں مگن ہو جاتی ہیں۔جس سے ان کی سیٹیں ضائع ہو جاتی ہیں۔دیہاتوں کے غریب اور مجبور لوگ جاگیرداروں کی رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں۔اپنے گاؤں کے نمبردار اور چوہداریوں کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔امیر لوگ دولت کی پوجاری ہیں جو اپنے رشتوں کو اپنے مادی مفاد کی بھیٹ چڑھا دیتے ہیں۔جاگیردار لوگ اپنی آبائی جائیداد بچانے کے لیے اپنی معصوم بیٹیوں کے نکاح الہامی کتاب (قرآن مجید) سے کر دیتے ہیں۔ان کے گھر عقوبت خانے ہیں جہاں ایک طرف حرم سرا ہیں تو دوسری طرف بیگا کیمپ ہیں۔ایسی سوچ رکھنے والے لوگ ان پڑھ/جاہل نہیں بلکہ بیرون ملک سے اعلی تعلیم یافتہ ہیں جو اپنی شریک حیات کو اپنے پاؤں کی جوتی قرار دیتے ہیں۔ان لوگوں کے بارے میں خالدہ حسین لکھتی ہیں:

> "وہبیوی کے ساتھ رفاقت کا نہیں افسر اور حاکم کا رشتہ استوار کرنا چاہتے ہیں ان سے صبح شام اپنی شان میں قصیدے سننا چاہتے ہیں اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ایک بہت بڑی طبقہ بیوی کو پاؤں کی جوتی قرار دیتا ہے۔ایک پسند نہ آئی تو دوسری پہن لی۔سنا یہ ہی وہ تہذیبی روایات ہیں جن کی تم ایسے پاسداری کرتے ہیں اور جن کی پاسداری کرتے کرتے ہماری نوے فیصد عورتیں وقت سے پہلے مر جاتی ہیں۔"(۱۰)

خالدہ حسین اس ناول میں مزاحمتی رویہ اپناتی ہے وہ اس ناول میں سوالیہ انداز بھی اپناتی ہے جو اس ناول کی ادبی معنویت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔وہ سوال کرتی ہیں کیا اس معاشرے کو صرف مرد چلاتے ہیں۔جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے معاشرتی ترقی میں مرد اور عورت مل کر حصہ لیتے ہیں مگر معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ شجر نسب میں صرف مردوں کے نام لکھے جاتے ہیں ان میں عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔طبقاتی معاشرے میں ہمیشہ نچلے طبقوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے۔

سبط حسن اپنی کتاب "پاکستان میں تہذیب کا ارتقا" میں لکھتے ہیں:

> "ہر شہر میں دو شہر ہوتے ہیں ایک امیروں کا دوسرا غریبوں کا اور دونوں کے اخلاق وعادات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔"(۱۱)

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد حکمرانوں کی بدعنوانیاں، لسانی، علاقائی اور مذہبی تعصبات کو ہوا ملنے لگی۔اس دوران کوئی ایک بھی حکمران عوام کی امنگوں کا ترجمان نہ بن سکا کیوں کہ ارباب اختیار نے نہ پاکستان کے باشندوں کا خیال کیا اور نہ ان کے تہذیبی تقاضوں کو درخور اعتنا جانا۔ان لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر مذہب کو تہذیب کے ساتھ ملا دیا جو کہ غیر تاریخی بات ہے مسلمانوں نے ہزاروں سال برصغیر پر حکومت کی اس دوران مذہب اور ریاست جدا جدا رہے۔سبط حسن کے مطابق ہماری تہذیب کے غالب عناصر میں اسلام کا دور دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں۔یہ انبیاء اور اولیا کرام کی سرزمین ضرور ہے جن کا پیغام محبت، امن اور شانتی تھا ان کے درس کو بھلا کر مادیت پرستی کو ترجیح دینے والوں نے بے گناہ شہریوں کا جینا حرام کر دیا۔اس میں وہ لوگ بھی شامل جنھوں نے وطن عزیز کی خاطر اپنا سب کچھ لوٹا دیا۔بے حس مفاد پرستوں نے ان کو بھی اپنی گولی کا نشانہ بنایا۔جن میں محسن پاکستان لیاقت علی خان، محترمہ فاطمہ، بے نظیر بھٹو اور بے قصور عوام شامل ہیں۔پاکستان کے بظاہر پر امن نظر آنے والے شہروں میں اس دہشت گردی کا نقشہ خالدہ حسین ان الفاظ میں کھینچتی ہیں:

> "ان کے آس پاس ہی کہیں خاموش لاوے کا مرکز تھا ہر طرف ایک گنگ دہشت چاروں سمت گونجتی سنائی دیتی تھی۔ان ہی دنوں بڑے بھیا کا دوست سمیع شہید ہوا تھا۔بہت دنوں تک وہ آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھائے رہے کبھی ہوا کے ساتھ لہو کی بو کے جھونکے بھی گھر میں آتے محسوس ہوتے تھے۔"(۱۲)

پاکستانی ثقافت ہمارے تشخص کا نام ہے جس میں بلوچی، سندھی، پختون اور پنجابی کلچر پائے جاتے ہیں ان میں قومی کلچر کو تلاش کرنا بے سود ہے علاقائی وفاداریاں اور زبانیں بننے سے پہلے بگاڑ اور تعصب کا شکار ہو جاتی ہیں۔ہر بدلتے ہوئے نظام کی اپنی اخلاقیات اور تقاضے ہوتے ہیں۔اسی طرح جب ہمارے ملک میں جاگیر دارانہ نظام سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیل ہو رہا تھا تو اس سرمایہ دار کے کچھ فرائض تھے جن کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ہمارے ہاں سرمایہ دار نہیں بلکہ انگریز پیدا ہوا جس کو ہماری تہذیب و ثقافت سے نفرت تھی اس نے ہمارے آرٹ اور کلچر کو فضول سمجھا اور ہم نے ان کا نظام سیکھنے میں ہزاروں سال لگا دیئے اور انہوں نے کچھ عرصے میں ہمارے ثقافتی ورثے کو تباہ کر دیا۔مشینی مصنوعات بنانے والوں نے اپنی تجارت کو چمکنے کے لیے گلوبلائزیشن کو اپنایا جس نے علاقائی ثقافتی کو قومی اور عالمی سطح پر ضم کر دیا۔خالدہ حسین بھی دوسرے مفکرین کی طرح پاکستانی کلچر کے بارے میں تشکیک کا شکار ہیں اس کی جڑیں قیام پاکستان سے پہلے کی ہیں یا بعد کی۔اس معاملے میں وہ ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر سید عبداللہ اور سبط حسن کی پیروی کرتی نظر آتی ہیں۔وہ بھی طنزیہ انداز اپناتے ہوئے سوال کرتی ہیں:

"وہ تو ہمارا کلچر نہیں ہے تو پھر ہمارا ہندوانہ کلچر ہے تو پھر ہمارا کلچر کیاہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لوگ اپنی جڑوں کی تلاش میں نکل پڑے ہیں جو بڑے خطرے کی بات ہے۔"(۱۳)

خالدہ حسین بھی پاکستانی تہذیب کو ہند اسلامی تہذیب قرار دیتی ہیں جو ہزاروں سال پرانی ہے مگر انڈیا پاکستان کی غیر فطری تقسیم کے رد عمل نے اس کو انتشار میں مبتلا کر دیا۔ وہ اس واقعے کو ایک المیہ قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

"ہماری مشترکہ تہذیب تھی جو فطری طریقے سے بڑھ رہی تھی اس کو غیر فطری طریقے سے روک دیا گیا تو یہ انتشار پیدا ہوا۔ ایک خلاء، مسلسل التواء۔"(۱۴)

اس غیر فطری ریاست کو قیام کے بعد لا تعداد مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک تین جنگیں لڑ چکے ہیں مگر جشن صرف چھ ستمبر کا مناتے ہیں۔ ہم اس وقت سے سبق کیوں نہیں سیکھتے جب پاکستان کا ایک ٹکڑا اندرونی اور بیرونی سازشوں سے الگ ہوا۔ سقوط ڈھاکہ کے المیے پر خالدہ حسین طنز کے تیر برساتے ہوئے لکھتی ہیں:

"6 ستمبر کے ساتھ ساتھ تمہیں 21 دسمبر بھی منانا چاہیے "فیروز نے کہا تھا، مگر اپنی تاریخ سے سبق سیکھنا ہمارے ضمیر میں نہیں۔"(۱۵)

دشمن بیرونی طور پر جب حملہ نہیں کر سکتا تو اندرونی طور پر سازشیں کرتا ہے۔ جن میں حکومتوں کا ٹوٹنا اور دہشت گردی کے واقعات ہیں۔ قیام پاکستان سے اب تک ہمارے ملک کو استحکام نصیب نہ ہوا۔ پے در پے تین مارشل لگے۔ آمریت اور فوجی حکمرانی نے بچی کھچی ساکھ کو بھی تباہ کر دیا۔ مارشل لگنے سے ملک میں مہنگائی، بے روزگاری، کرپشن اور منافع خوری کا دور دورا عام ہوا ہے۔ "کاغذی گھاٹ" میں خالدہ حسین ایوب خان کے مارشل کے بارے میں لکھتی ہیں:

"مارشل ایک آزاد قوم کے لیے باعث ندامت ہے۔ اس کا انہیں کب ہوش تھا۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور چوری بازاری پر پہلی بار ایسا کڑا ہاتھ پڑا تھا۔ بازاروں میں فوجی خاکی وردی اور سیاہ بوٹوں میں بغل میں سٹکس دبائے ہر دکان کا جائزہ لیتے پھرتے"(۱۶)

یوں یہ ناول ایک فرد کا نہیں بلکہ پوری قوم کا نوحہ ہے جو خالدہ حسین کے ثقافتی شعور کا منہ بولتا ثبوت ہے جو ملکی تاریخ کو ثقافتی پس منظر میں بیان کرتی ہیں۔ پاکستانی کلچر میں اسلامی اقدار کا نفوذ درکار ہو تو ہمیں سچا مسلمان بننا ہوگا اگرچہ ہمارے ملک کی زیادہ تر

آبادی مسلمان ہے مگر ان کے وصف چوری،ڈکیتی،اغوا،سوداور سمگلنگ کے ہیں۔علامہ اقبال کے مطابق ہم صحیح معنوں میں مسلمان ہی نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی،پاکستانی کلچر،مشتاق بک ڈپو،کراچی،1964ء،ص35۔

۲۔ مشتاق احمد وانی،تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیب کا بحران،کاک آفیسٹ پریس،دہلی،2002ء،ص33،34۔

۳۔ وزیر آغا،تنقید اور احتساب،جدید ناشرین،لاہور،1968ء،ص301۔

۴۔ انتظار حسین،علامتوں کا زوال،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،1989ء،ص97۔

۵۔ خالدہ حسین،کاغذی گھاٹ،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،2002ء،ص13۔

۶۔ ایضا،ص61۔

۷۔ ناصر عباس نیر،ثقافتی استعماری اجارہ داری،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،ص27۔

۸۔ خالدہ حسین،کاغذی گھاٹ،اسلام آباد،ص76۔

۹۔ ایضا،ص126۔

۱۰۔ سبط حسن،پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء،مکتبہ دانیال،کراچی،1969ء،ص57۔

۱۱۔ خالدہ حسین،کاغذی گھاٹ،اسلام آباد،ص28۔

۱۲۔ ایضا،ص129۔

۱۳۔ ایضا،ص132۔

۱۴۔ ایضا،ص167

۱۵۔ ایضاً،ص 84۔

۱۶۔ایضاً،ص 132۔

References:

1. Dr Jamil jalabi, Pakistani culture, Mushtaq book depot, Karachi, 1964, page#35.
2. Mushtaq Ahmed Wani, Takseem KY bad Urdu novel main tahzeeb ka buhran, cac Officet press, dehli, 2003, page#33, 34.
3. Wazir aagha, tangeed or ahtasab, jadiad nashreen Lahore, 1968, page#301.
4. Antazir Hussain.elamton ka zawal, sag.e.meel publication, Lahore, 1989, page#98.
5. Khalida Hussain, kaghzi ghaat, dost publication, Islamabad, 2002, page#13.
6. Aeezan page #61.
7. Nasir Abass nair, sakafti shankhat astimari ajaradari, sang.e.meel publication, Lahore, 2014, page#27.
8. Khalida Hussain, kaghzi ghaat,, Islamabad,2002,page#72.
9. Aeezan page #162.
10. Sabtate hussan, Pakistani Tahzeeb ka arteeka, maktaba .e. danial, Karachi, 1969, Page#57.
11. Khalida Hussain, kaghzi ghaat,, Islamabad,2002,page#28.
12. Aeezan page #129.
13. Aeezan page #132.
14. Aeezan page #127.
15. Aeezan page #84.
16. Aeezan page #132.